حافظ محمد زبیر

مسجد اقصیٰ کی تولیت

قرآن وسنت کی روشنی میں ایک تاریخی وتحقیقی جائزہ

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

''المورد'' کے اسسٹنٹ فیلو اور ماہنامہ ''الشریعہ'' کے مدیر جناب محمد عمار خان ناصر صاحب کی طرف سے ماہنامہ ''اشراق'' جولائی واگست ۲۰۰۳ میں ''مسجد اقصیٰ، یہود اور امت مسلمہ'' کے عنوان سے ایک طویل مضمون شائع ہوا۔ چونکہ محترم عمار صاحب نے اپنے اس مضمون میں امت مسلمہ کے عام موقف کے بالکل برعکس ایک نئی رائے کا اظہار کیا تھا، اس لیے مختلف علمی حلقوں کی طرف سے ان کو مختلف قسم کی علمی اور جذباتی تنقیدی آرا کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ عمار صاحب نے ماہنامہ ''اشراق'' مئی وجولائی ۲۰۰۴ کے شماروں میں ان تمام تنقیدی آرا کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ہمارے علم کی حد تک کسی ناقد نے بھی عمار صاحب کی اس اصولی غلطی کی نشان دہی نہیں کی جو ان کے مضمون کی کل بنیاد ہے۔ عمار صاحب کے اس طویل مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ کی تولیت کا شرعی حق یہود کو حاصل ہے، اگرچہ تکوینی طور پر یہ مسجد سینکڑوں سال سے مسلمانوں کی تولیت میں ہے۔ مسجد اقصیٰ کی تولیت پر یہود کے شرعی حق کی کل دلیل، عمار صاحب کے نزدیک وہ اسرائیلیات ہیں جن کو وہ کتاب مقدس کے بیانات کہتے ہیں۔ ان اسرائیلی روایات سے محترم عمار صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مسجد اقصیٰ یعنی ہیکل سلیمانی کو حضرت سلیمان نے اپنے زمانے میں جنات سے تعمیر کرایا تھا۔ یہ ہیکل یہودیوں کا قبلہ ہے۔ علاوہ ازیں یہ ان کا مقام حج ہے۔ یہی ان کی قربان گاہ

اور مرکز عبادت ہے۔اس کی طرف رخ کر کے وہ نماز ادا کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ نظریہ ہی غلط ہے کہ مسجد اقصیٰ یہودیوں کا قبلہ یا مقام حج یا نماز کے لیے ایک سمت ہے۔قرآن وسنت تو کیا، کسی ایک اسرائیلی روایت سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ بیت المقدس کو اللہ تعالیٰ نے یہود کا قبلہ مقرر کیا تھا۔حق بات یہ ہے کہ حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیا کا قبلہ ''مسجد حرام'' رہا ہے۔تمام انبیا مسجد حرام کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے ہیں اور یہیں آ کر فریضۂ حج ادا کرتے رہے ہیں۔ مسجد اقصیٰ کو اپنا قبلہ قرار دینا یہودیوں اور عیسائیوں کی اپنے دین میں اختراع ہے۔ مسجد اقصیٰ کی حیثیت مسلمانوں کے ایک بابرکت مقام اور مسجد کی سی ہے۔ مسجد اقصیٰ یہودیوں کی نہیں، بلکہ مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے، اس لیے اس کی تولیت کا حق بھی مسلمانوں ہی کو حاصل ہے۔
مسجد اقصیٰ کا مسئلہ چونکہ ایک اصولی مسئلہ ہے، اس لیے ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس پر اصولی انداز میں بحث ہونی چاہیے۔ عمار صاحب سے اس مسئلے کی تحقیق میں جو بنیادی غلطی ہوئی، وہ یہ کہ انھوں نے اسرائیلیات کی روشنی میں قرآن وسنت کو سمجھنے کی کوشش کی ہے[1]۔ اگر وہ قرآن وسنت کی روشنی میں اسرائیلی روایات کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو ان کے نتائج اس سے بہت مختلف ہوتے جو کہ وہ بیان کر رہے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

مسجد اقصیٰ کی فضیلت

مسجد اقصیٰ کے درج ذیل فضائل قرآن وسنت میں بیان ہوئے ہیں:

۱۔ مسجد اقصیٰ بابرکت زمین میں ہے:

قرآن میں چار مقامات پر سرزمین شام کو بابرکت زمین کہا گیا ہے۔نزول قرآن کے وقت ملک شام، موجودہ شام سے بہت وسیع تھا۔موجودہ فلسطین بھی اس کا ایک حصہ تھا۔مسجد اقصیٰ شام کی اسی بابرکت سرزمین میں واقع ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا. (الاعراف ۷:۱۳۷)

''اور ہم نے اس قوم کو کہ جس کو کمزور بنایا گیا تھا، اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنایا کہ جس سرزمین میں ہم نے برکت رکھ دی ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں حضرت سلیمان کے دور میں موجود بنی اسرائیل کی اس عظیم سلطنت کی طرف اشارہ

---

[1] محترم عمار صاحب نے تحقیق کا یہ انداز واسلوب جناب غامدی صاحب سے سیکھا ہے۔ غامدی صاحب نے اپنی کتاب ''میزان''، میں تفصیل سے اپنے اس اصول کو بیان کیا ہے کہ قرآن کو سابقہ صحف سماویہ کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔

ہے جو کہ اس زمانے کے شام اور اس کے گردونواح پر مشتمل تھی۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنَجَّيۡنٰهُ وَلُوۡطًا اِلَى الۡاَرۡضِ الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا لِلۡعٰلَمِيۡنَ. (الانبیاء ۲۱:۷۱)

''اور ہم نے اس کو (یعنی حضرت ابراہیم) اور حضرت لوط کو نجات دی ایک ایسی سرزمین کی طرف کہ جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت رکھ دی ہے۔''

اس آیت مبارکہ کے الفاظ 'العالمین' سے واضح ہوتا ہے کہ سرزمین فلسطین وشام کی برکات کسی خاص جماعت، قوم یا مذہب کے ماننے والوں کے لیے نہیں ہیں، جیسا کہ یہودیوں کا یہ خیال ہے کہ اس سرزمین کی برکات ان کے لیے مخصوص ہیں، بلکہ اس سرزمین کی برکت تمام اقوام، مذاہب اور جماعتوں کے لیے ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلِسُلَيۡمٰنَ الرِّيۡحَ عَاصِفَةً تَجۡرِىۡ بِاَمۡرِهٖۤ اِلَى الۡاَرۡضِ الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا. (الانبیاء ۲۱:۸۱)

''اور حضرت سلیمان کے لیے ہم نے تیز وتند ہوا کو مسخر کر دیا تھا جو ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی کہ جس میں ہم نے برکت رکھ دی ہے۔''

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمۡ وَبَيۡنَ الۡقُرَى الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا قُرًى ظَاهِرَةً. (سبا ۳۴:۱۸)

''اور ہم نے ان (یعنی قوم سبا) کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان کہ جن میں ہم نے برکت رکھ دی ہے، کچھ نمایاں بستیاں بنائی تھیں۔''

اس آیت مبارکہ کے الفاظ 'القری' سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ برکت صرف فلسطین کی بستی میں نہیں رکھی گئی، بلکہ ان تمام بستیوں میں رکھی گئی ہے جو کہ سرزمین شام پر واقع ہیں۔

۲۔ مسجد اقصیٰ کے اردگرد کی سرزمین بھی بابرکت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سُبۡحٰنَ الَّذِىۡۤ اَسۡرٰى بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِىۡ بٰرَكۡنَا حَوۡلَهٗ. (الاسراء ۱۷:۱)

''پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کہ جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھ دی ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اقصیٰ کے ساتھ ساتھ اس کے اردگرد کی سرزمین یعنی فلسطین وشام کا علاقہ بھی بابرکت ہے۔

۳۔ مسجد اقصیٰ ارض مقدسہ میں ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰقَوۡمِ ادۡخُلُوا الۡاَرۡضَ الۡمُقَدَّسَۃَ الَّتِیۡ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمۡ. (المائدہ ۵:۲۱)

''اے میری قوم کے لوگو، داخل ہو جاؤ اس مقدس سرزمین میں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے۔''

قتادہ کے نزدیک ارض مقدسہ سے مراد ''شام'' ہے، جبکہ مجاہد اور ابن عباس کے ایک قول کے مطابق ''کوہ طور اور اس کے اردگرد کا علاقہ'' مراد ہے۔ اسی طرح سدی اور ابن عباس کے دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد ''اُریحا'' ہے۔ زجاج نے کہا کہ اس سے مراد ''دمشق اور فلسطین'' ہے۔ بعض مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ اس سے مراد ''اردن کا علاقہ'' ہے۔ امام قرطبی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ قتادہ کا قول سب کو شامل ہے۔ امام قرطبی کے اس قول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شام میں فلسطین، دمشق اور اردن کا علاقہ بھی شامل تھا۔ اسی طرح کوہ طور اور اس کے اردگرد کا علاقہ حتیٰ کہ اُریحا کا شہر بھی شام کی بابرکت سرزمین کی حدود میں تھا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

۴۔ بیت اللہ کے بعد دوسری مسجد:

مسجد اقصیٰ روے زمین پر بیت اللہ کے بعد دوسری مسجد ہے کہ جس کو عبادت الٰہی کے لیے تعمیر کیا گیا۔ حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے:

سألت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن أول مسجد وضع فی الأرض قال المسجد الحرام قلت ثم أی قال المسجد الأقصی قلت کم بینهما قال أربعون عاما[۲].

''میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اس روے زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر کی گئی؟ آپ نے جواب دیا: مسجد حرام۔ میں نے پھر سوال کیا: اس کے بعد کون سی مسجد تعمیر کی گئی تو آپ نے فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ میں نے کہا: ان دونوں کی تعمیر کے دوران میں کل کتنا وقفہ ہے تو آپ نے کہا: چالیس سال۔''

۲؎ سنن نسائی: کتاب المساجد، باب: ذکر أی مسجد وضع أولا۔

۵۔ مسجد اقصیٰ کی طرف شد رحال کی مشروعیت:

مسجد اقصیٰ ان تین مساجد میں شامل ہے کہ جن کا تبرک حاصل کرنے کے لیے یا ان میں نماز پڑھنے کے لیے یا ان کی زیارت کے لیے سفر کو مشروع قرار دیا گیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد مسجدی هذا و مسجد الحرام والمسجد الأقصی.[۳]

''تین مساجد کے علاوہ کسی جگہ کا قصد کر کے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ میری اس مسجد کا یعنی مسجد نبوی کا، مسجد حرام کا اور مسجد اقصیٰ کا۔''

۶۔ مسجد اقصیٰ کو انبیا نے تعمیر کیا:

مسجد اقصیٰ ان مساجد میں سے ہے کہ جس کو جلیل القدر انبیا نے تعمیر کیا۔ طبرانی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

أن داؤد ابتدأ ببناء البيت المقدس ثم أوحی اللّٰه اليه انی لأقضی بناؤه علی يد سليمان.[۴]

''حضرت داؤد نے بیت المقدس کی تعمیر کے لیے بنیادیں رکھیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر حضرت سلیمان کے ہاتھوں مکمل کراؤں گا۔''

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

أن سليمان بن داؤد لما بنی بيت المقدس سال اللّٰه عز و جل خلالا ثلاثة ... سأل اللّٰه عز و جل حين فرغ من بناء المسجد أن لا ياتيه أحد لا ينهزه الا الصلاة فيه أن يخرجه من خطيئته كيوم ولدته أمه.[۵]

''حضرت سلیمان نے جب بیت المقدس کی تعمیر مکمل کر لی تو اللہ تعالیٰ سے تین باتوں کی دعا کی ... جب وہ مسجد بنا کر فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ جب بھی کوئی شخص اس مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے آئے تو وہ گناہوں سے ایسے پاک ہو کر نکلے جیسے کہ اس کی ماں نے اس کو جنا ہو۔''

۷۔ مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی فضیلت:

صحیح حدیث میں مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی بہت زیادہ فضیلت بیان ہوئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو اللہ کے

۳؎ صحیح بخاری: کتاب الجمعہ، باب: فضل الصلاة فی مسجد مكة و المدينة۔

۴؎ فتح الباری مع صحیح بخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، باب: قول اللّٰه تعالی و اتخذ اللّٰه ابراهيم خليلا۔

۵؎ سنن نسائی: کتاب المساجد، باب: فضل المسجد الأقصی و الصلاة فيه۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

أن سليمان بن داؤد لما بنى بيت المقدس سال اللّٰه عز و جل خلالا ثلاثة ... سأل اللّٰه عز و جل حين فرغ من بناء المسجد أن لا ياتيه أحد لا ينهزه الا الصلاة فيه أن يخرجه من خطيئته كيوم ولدته أمه[٦].

''حضرت سلیمان نے جب بیت المقدس کی تعمیر مکمل کر لی تو اللہ تعالیٰ سے تین باتوں کی دعا کی ...جب وہ مسجد بنا کر فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ جب بھی کوئی شخص اس مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے آئے تو وہ گناہوں سے ایسے پاک ہو کر نکلے جیسے کہ اس کی ماں نے اس کو جنا ہو۔''

۸۔ مسجد اقصیٰ سے احرام باندھ کر حج کرنے کی فضیلت:

مسجد اقصیٰ سے حج یا عمرہ کے لیے احرام باندھ کر مسجد حرام کی طرف نکلنے کی بہت زیادہ فضیلت حدیث میں آئی ہے۔ام المومنین حضرت ام سلمہ آپ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا:

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

من أهل بحجة أو عمرة من المسجد الأقصى الى المسجد الحرام غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر أو وجبت له الجنة شك عبداللّٰه أيتهما قال[٧].

''جس نے بھی مسجد اقصیٰ سے مسجد حرام تک کے لیے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھا، اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے یا اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔عبداللہ کو شک گزرا کہ آپ نے ان دونوں میں سے کون سے الفاظ فرمائے ہیں۔''

۹۔ مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر ماننا جائز ہے:

فتح مکہ کے موقع پر ایک شخص نے آپ سے آ کر سوال کیا:

يا رسول اللّٰه انى نذرت للّٰه ان فتح اللّٰه عليك مكة ان أصلى فى بيت المقدس ركعتين قال صل هاهنا ثم أعاد عليه فقال صل هاهنا ثم أعاد عليه فقال شانك[٨].

''اے اللہ کے رسول، میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں مکہ فتح کروا دیا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز پڑھوں گا۔آپ نے فرمایا: یہاں ہی پڑھ لے۔ اس نے پھر آپ کے سامنے اپنی بات کو دہرایا۔آپ نے فرمایا: یہاں نماز پڑھ لے۔اس نے پھر اپنی بات کو دہرایا تو آپ نے

---

٦ ایضاً۔

٧ سنن ابی داؤد: کتاب المناسک، باب: فى المواقيت۔

فرمایا: تمھارا معاملہ ہے (یعنی جہاں تو چاہے پڑھ لے، میں نے تو تیری آسانی کی خاطر تجھے یہ مشورہ دیا تھا)۔''

اس کے علاوہ بھی روایات ہیں کہ جن سے مسجد اقصیٰ کی برکت وفضیلت کا اظہار ہوتا ہے، لیکن طوالت کے خوف سے ہم صرف انھی روایات پر اکتفا کرتے ہیں۔

مسجد اقصیٰ کی تعمیر و تاریخ

محترم عمار صاحب نے اپنے مضمون میں مسجد اقصیٰ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اپنی تحقیق کی کل بنیاد اسرائیلی روایات کو بنایا ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث کہ جس میں مسجد اقصیٰ کی پہلی تعمیر کا تذکرہ ہے، اس کو حاشیہ میں بیان کیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عمار صاحب کی اس نادر تحقیق کے اصل اور فیصلہ کن مصادر کون سے ہیں؟

قرآن وسنت کی روشنی میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر و تاریخ کا تعین کرنے میں حضرت ابوذر غفاری کی درج ذیل روایت کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ حضرت ابوذر سے روایت ہے:

سألت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن أول مسجد وضع فى الأرض، قال المسجد الحرام، قلت ثم أى؟ قال المسجد الأقصى، قلت كم بينهما قال أربعون عاما.[9]

''میں نے کہا: اے اللہ کے رسول، اس روے زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر کی گئی؟ آپ نے جواب دیا: مسجد حرام۔ میں نے پھر سوال کیا: اس کے بعد کون سی مسجد تعمیر کی گئی؟ آپ نے فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ میں نے کہا: ان دونوں کی تعمیر کے دوران میں کل کتنا وقفہ ہے؟ آپ نے کہا: چالیس سال۔''

اس روایت سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

۱۔ اس زمین پر سب سے پہلی مسجد جو کہ اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کی گئی، مسجد حرام ہے۔

۲۔ دوسری مسجد جو کہ اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کی گئی، مسجد اقصیٰ ہے۔

۸؎ سنن ابی داؤد: کتاب الایمان والنذور، باب: من نذر أن يصلى فى بيت المقدس۔

۹؎ صحیح مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

۳۔ان دونوں مساجد کی تعمیر کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر کس دور میں ہوئی؟ اگر بیت اللہ کی تعمیر کا زمانہ متعین ہو جائے تو مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا زمانہ از خود متعین ہو جائے گا، کیونکہ صحیح حدیث کے مطابق مسجد اقصیٰ کی تعمیر بیت اللہ کی تعمیر کے چالیس سال بعد ہوئی۔ بیت اللہ کی تعمیر کے بارے میں آرا مختلف ہیں جن میں سے دو ہی آرا دلائل کی روشنی میں قوی ہیں:

الف۔ایک رائے یہ ہے کہ بیت اللہ کی سب سے پہلی تعمیر حضرت ابراہیم کے زمانے میں ہوئی تھی۔قرآنی نص سے یہ بات ثابت ہے کہ بیت اللہ کو حضرت ابراہیم نے تعمیر کیا تھا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ. (البقرہ۲:۱۲۷)

''اور جب حضرت ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور حضرت اسمٰعیل بھی۔''

اگر ہم حضرت ابراہیم کی اس تعمیر کو بیت اللہ کی پہلی تعمیر مانیں تو مسجد اقصیٰ کے پہلے موسس حضرت ابراہیم ہوں گے۔

ب۔ دوسری رائے یہ ہے کہ بیت اللہ کی پہلی تعمیر حضرت آدم کے زمانے میں ہوئی۔ اگر اس قول کو صحیح مانیں تو مسجد اقصیٰ کے موسس حضرت آدم قرار پائیں گے۔ ہمارے نزدیک صحیح قول یہی ہے کہ بیت اللہ کی پہلی تعمیر حضرت آدم نے کی۔حضرت ابراہیم نے آکر اس کی تجدید کی ہے۔ ہماری اس رائے کی بنیاد درج ذیل دلائل پر ہے:

۱۔اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا کے لیے نماز کو مشروع قرار دیا تھا جس کے لیے ایک قبلہ کا ہونا ضروری تھا۔لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ حضرت آدم کے دین میں نماز کا مشروع ہونا، اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کے لیے حضرت آدم کوئی قبلہ بھی تعمیر کریں۔

۲۔اگر اس بات کو مان لیا جائے کہ حضرت ابراہیم نے سب سے پہلے بیت اللہ کی تعمیر کی تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس بات کا بھی اقرار کیا جائے کہ حضرت ابراہیم سے ماقبل اسلامی شریعتوں میں حج کا کوئی تصور نہ تھا جو کہ غلط ہے۔لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم سے پہلے مختلف انبیا کے ہاں حج کا تصور اس بات کو ملتزم ہے کہ حضرت ابراہیم سے پہلے ایک قبلے کا وجود مانا جائے۔

۳۔حضرت ابراہیم جب حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو سرزمین مکہ میں آباد کرنے کے لیے وہاں چھوڑنے گئے تو اس وقت انھوں نے دعا مانگی جس کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِی بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ . (ابراہیم ۱۴:۳۷)

''اے میرے پروردگار، بے شک میں نے اپنی اولاد کو آباد کیا، ایک ایسی سرزمین میں جو کہ کھیتی والی نہیں ہے، تیرے حرمت والے گھر کے پاس۔''

اس دعا کے الفاظ 'عند بیتك المحرم' سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کی اس دعا کے وقت بیت اللہ کی بنیادیں موجود تھیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ بیت اللہ حضرت ابراہیم سے پہلے بھی تعمیر ہو چکا تھا۔

۴۔ اس قرآنی موقف کے شواہد بعض ضعیف روایات سے بھی ہمیں ملتے ہیں، مثلاً امام بیہقی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں:

بعث اللّٰہ جبرئیل الی آدم و حواء فأمرهما ببناء الکعبة فبناه آدم ثم أمر بالطواف به و قیل له أنت أول الناس و هذا أول بیت وضع للناس۔[10]

''اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو حضرت آدم و حوا کی طرف بھیجا اور ان کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ حضرت آدم نے بیت اللہ کو تعمیر کیا، پھر حضرت آدم کو بیت اللہ کا طواف کرنے کا حکم دیا اور حضرت آدم سے کہا گیا کہ تو پہلا آدمی ہے اور یہ پہلا گھر ہے جو کہ لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے۔''

۵۔ علامہ ابن حجر نے بھی اسی رائے کو ایک روایت کی بنیاد پر ترجیح دی ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں:

و یؤید قول من قال: أن آدم هو الذی أسس کلا من المسجدین فذکر ابن هشام فی کتاب التیجان أن آدم لما بنی الکعبة أمره اللّٰه بالسیر الی بیت المقدس و أن یبنیه فبناه و نسك فیه وبناء آدم للبیت مشهور وقد تقدم قریبا حدیث عبد اللّٰه بن عمرو أن البیت رفع زمن الطوفان حتی بواه اللّٰه لابراهیم۔[11]

''اور ان لوگوں کے قول کی تائید جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم نے مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ، دونوں کو تعمیر کیا، اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن ہشام نے کتاب التیجان میں نقل کیا ہے کہ حضرت آدم نے جب بیت اللہ کو تعمیر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ بیت المقدس کی طرف جائیں اور اس کی بنیاد رکھیں تو انھوں نے جا کر اس کو تعمیر کیا۔ اور بیت اللہ کی جو تعمیر حضرت آدم کے ہاتھوں ہوئی، وہ معروف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث پہلے گزر چکی

---

[10] دلائل النبوہ، امام بیہقی ۲/۴۵۔ و رواه ابن کثیر فی تفسیره و اللفظ له ۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

ہے کہ بیت اللہ کو طوفان نوح کے دوران میں اٹھا لیا گیا تھا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت ابراہیم کا ٹھکانا بنایا۔‘‘

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی طرح مسجد اقصیٰ کی بھی کئی دفعہ تعمیر ہوئی۔ طبرانی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

أن داؤد ابتدأ ببناء البيت المقدس ثم أوحى اللّٰه اليه انى لأقضى بناؤه على يد سليمان.[12]

’’حضرت داؤد نے بیت المقدس کی تعمیر کے لیے بنیادیں رکھیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر حضرت سلیمان کے ہاتھوں مکمل کراؤں گا۔‘‘

اسی طرح نسائی کی ایک روایت ہے:

أن سليمان بن داؤد لما بنى بيت المقدس سأل اللّٰه عزوجل خلالا ثلاثه.[13]

’’جب حضرت سلیمان نے بیت المقدس کی تعمیر مکمل کر لی تو اللہ تعالیٰ سے تین باتوں کی دعا کی۔‘‘

ان روایات میں مسجد اقصیٰ کی پہلی تعمیر کے علاوہ، جو کہ حضرت آدم نے کی تھی، ایک دوسری تعمیر کا بھی تذکرہ ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان کے درمیان زمانی وقفہ ایک تاریخی روایت کے مطابق تین ہزار سال جبکہ دوسری روایت کے مطابق ڈیڑھ ہزار سال ہے۔

ج۔ ایک تیسری رائے جو کہ محترم عمار صاحب نے حدیث ابوذر کے حوالے سے اپنے مضمون کے حاشیے میں بیان کی ہے۔ عمار صاحب لکھتے ہیں:

’’اس روایت پر یہ اشکال ہے کہ تاریخ کے مسلمات کی رو سے مسجد اقصیٰ کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی اور ان کے اور سیدنا ابراہیم علیہما السلام کے مابین، جو مسجد حرام کے معمار تھے، کئی صدیوں کا فاصلہ ہے، جبکہ روایت میں دونوں مسجدوں کی تعمیر کے درمیان صرف چالیس سال کا فاصلہ بتایا گیا ہے۔ علماے حدیث کے

---

[11] صحیح بخاری مع فتح الباری: کتاب احادیث الانبیاء، باب: قول اللّٰه تعالىٰ و اتخذ اللّٰه ابراهيم خليلا۔

[12] فتح الباری مع صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء، باب: قول اللّٰه تعالىٰ و اتخذ اللّٰه ابراهيم خليلا۔

[13] سنن نسائی: کتاب المساجد، باب: فضل المسجد الأقصى والصلاة فيه۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ کے مقام کی تعیین تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرما دی تھی اور مذکورہ روایت میں اسی کا ذکر ہے، جبکہ حضرت سلیمان نے صدیوں بعد اسی جگہ پر ہیکل سلیمانی کو تعمیر کیا۔ اس لحاظ سے ان کی حیثیت ہیکل کے اولین بانی اور موسس کی نہیں، بلکہ تجدید کنندہ کی ہے۔[۱۴]''

محترم عمار صاحب نے اس رائے کی نسبت علماے حدیث کی طرف کی ہے، حالانکہ علماے حدیث میں سے کسی ایک کی بھی یہ رائے نہیں ہے جو کہ عمار صاحب بیان کر رہے ہیں۔ یہ عمار صاحب کی اپنی رائے ہے کہ جس کی نسبت انھوں نے علماے محدثین کی طرف کر دی ہے اور جن کتابوں کے وہ حوالے دے رہے ہیں، ان میں یہ بات اس طرح موجود نہیں ہے جس طرح کہ وہ اس کو بیان کر رہے ہیں۔

عمار صاحب سے پہلی غلطی تو یہ ہوئی کہ انھوں نے اس رائے کی نسبت علماے محدثین کی طرف کر دی، حالانکہ یہ رائے صرف ابن قیم اور ابن کثیر کی ہے۔ کیا دو پر جمع کا اطلاق ہوتا ہے؟

دوسری غلطی عمار صاحب نے یہ کی کہ جب دیکھا کہ مسئلہ حدیث کا ہے تو ابن قیم اور ابن کثیر کو علماے محدثین بنا کر پیش کر دیا، حالانکہ مقدم الذکر کا اصل میدان عقیدہ وفقہ ہے اور موخر الذکر کا تفسیر و تاریخ۔ ان میں سے کوئی ایک بھی علما میں بطور محدث اس طرح معروف نہیں ہے جس طرح مولفین صحاح ستہ یا ان کے اساتذہ وغیرہ۔

عمار صاحب سے تیسری غلطی یہ ہوئی کہ انھوں نے ابن قیم اور ابن کثیر کی رائے کو بھی ان حضرات کے اپنے الفاظ میں پیش نہیں کیا۔ ابن قیم نے اپنی رائے بیان کرتے ہوئے جو الفاظ بیان کیے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

والذی أسسه هو يعقوب ابن اسحاق۔[۱۵]

جبکہ ابن کثیر نے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں:

وان أول من جعله مسجدا اسرائيل عليه السلام۔[۱۶]

جبکہ محترم عمار صاحب نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں، وہ یہ ہیں:

''علماے حدیث کے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ کے مقام کی تعیین تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرما دی تھی۔[۱۷]''

۱۴؎ ماہنامہ ''اشراق'' جولائی ۲۰۰۳، ۳۶۔

۱۵؎ زاد المعاد، امام ابن قیم، ۹۔

۱۶؎ قصص النبیین، امام ابن کثیر ۱/۱۶۶۔

۱۷؎ ماہنامہ ''اشراق'' جولائی ۲۰۰۳، ۳۶۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

محترم عمار صاحب نے امام ابن قیم کے الفاظ 'أسس' اور امام ابن کثیر کے الفاظ 'جعل' کا ترجمہ ''تعین کرنا'' کیا ہے۔ اس کو ان جلیل القدر علما کی آرا میں تحریف نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے؟

چوتھی غلطی عمار صاحب سے یہ ہوئی کہ انھوں نے حدیث میں موجود الفاظ 'وضع' کو نظر انداز کر دیا جس کا معنی لغت میں ''تعین کرنا'' نہیں ہوتا۔ امام ابن قیم اور امام ابن کثیر جیسے علما کے یہ شایان شان نہیں ہے کہ ان کی طرف اس بات کی نسبت کی جائے کہ انھوں نے حدیث میں وارد شدہ الفاظ 'وضع' سے مراد بیت المقدس کی ''تعیین'' لی ہے۔

عمار صاحب کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ بیت المقدس کی تعمیر پہلی دفعہ حضرت سلیمان نے ہی کی اور وہ یہ عزم کیے ہوئے ہیں کہ کسی طرح بیت المقدس کی تعمیر کے بارے میں وارد شدہ اسرائیلی روایات، کہ جن پر انھوں نے اپنے موقف کی بنیاد رکھی ہے، کو صحیح ثابت کر دیا جائے، چاہے انھیں اس کے لیے صحیح احادیث کی من گھڑت تاویل اور علماے سلف کی آرا میں تحریف ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ ہمارے ''تحریف'' کے الفاظ شاید عمار صاحب کو ناگوار گزریں، لیکن انھوں نے اپنے مضمون میں مسجد اقصیٰ کے حوالے سے علما کے عمومی موقف کے بارے میں جس قدر سخت لب ولہجہ اور اسلوب اختیار کیا ہے، اس کی بھی ایک جھلک ذرا قارئین ملاحظہ فرما لیں۔ عمار صاحب لکھتے ہیں:

''یہ نکتہ اب اہل علم کے لیے ایک کھلے سوال کی حیثیت رکھتا ہے کہ عالم عرب کا یہ کم وبیش اجماعی موقف، جس کو متعدد اکابر علماے دین ومفتیان شرع متین کی تائید ونصرت حاصل ہے اور جس کو مسلم اور عرب میڈیا تسلسل کے ساتھ دہرا رہا ہے، کتمان حق اور تکذیب آیات اللہ کے زمرے میں آتا ہے یا نہیں؟''[18]

عمار صاحب اپنے ایک اجتہادی موقف پر اس قدر مصر ہیں کہ علما کے کم وبیش اجماع کو کتمان حق اور تکذیب آیات اللہ سے تعبیر کر رہے ہیں۔ عمار صاحب مذکورہ بالا عبارت میں جو سوال اہل علم سے کر رہے ہیں، وہی سوال اگر وہ اپنے آپ سے بھی کر لیتے تو ان کو اس کا جواب مل جاتا۔ عمار صاحب مولانا وحید الدین خان صاحب پر تنقید کرتے ہوئے ماہنامہ ''الشریعہ'' میں لکھتے ہیں:

''مولانا کے زاویۂ نگاہ سے اصولی طور پر اتفاق رکھنے والے اہل فکر کا ایک حلقہ یہ محسوس کرتا ہے کہ مخالف فکری زاویوں اور شخصیات پر تنقید کے لیے ان کا اختیار کردہ لب ولہجہ اور اسلوب 'رأيي صواب يحتمل الخطا و رأيهم خطا يحتمل الصواب' کے ذہنی رویے کے بجائے حتمیت کی عکاسی کرتا ہے اور وہ اپنے زاویۂ نگاہ کو

۱۸؎ ماہنامہ ''اشراق'' جولائی ۲۰۰۳، ۴۱۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

ایک نقطۂ نظر سمجھنے کے بجائے ''واحد درست طرز فکر'' قرار دینے میں حد اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں۔''[19]

ایک اور جگہ ماہنامہ ''اشراق''، جنوری ۲۰۰۷، صفحہ ۷۱ پر محترم عمار صاحب لکھتے ہیں:

''اگر علمی مباحث میں طعن و تشنیع اور تفسیق و تضلیل کا رویہ در آئے تو تنقید فکر و نظر کی آبیاری کرنے کے بجائے محض 'بغیا بینھم' کا ایک نمونہ بن کر رہ جاتی ہے۔''

ہم عمار صاحب سے سوال کرتے ہیں، کیا یہ اصول تنقید صرف ان کے لیے ہے جو آپ یا آپ کی طرح کے آزاد خیال مفکرین کی آرا پر تنقید کرنا چاہے یا آپ کو بھی علما کے بارے میں لکھتے ہوئے اپنے قلم کو لگام دینی چاہیے؟

بہر حال خلاصۂ کلام یہ کہ مذکورہ بالا بحث سے درج ذیل نتائج ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ، دونوں کے موسس حضرت آدم ہیں۔

۲۔ ظاہر نصوص سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام کی دوسری تعمیر حضرت ابراہیم کے ہاتھوں ہوئی، جبکہ مسجد اقصیٰ کی دوسری تعمیر کی بنیاد حضرت داؤد نے رکھی اور مکمل حضرت سلیمان کے عہد میں ہوئی۔ اس عرصے کے درمیان میں کسی اور تعمیر کا تذکرہ صحیح نصوص میں نہیں ملتا۔

یہ تو مسجد اقصیٰ کے حوالے سے ہماری کچھ ضمناً گفتگو تھی، جس کا مقصد عمار صاحب کے مضمون سے پیدا شدہ ایک غلط فہمی کا ازالہ تھا۔ اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

مسجد اقصیٰ کی تولیت مسلمانوں کا حق ہے

مسجد اقصیٰ کی تولیت مسلمانوں کا شرعی حق ہے جس کے درج ذیل دلائل ہیں:

۱۔ مسجد اقصیٰ کی تعمیر مسلمان انبیا نے کی:

مسجد اقصیٰ کی تعمیر مسلمان انبیا کے ہاتھوں ہوئی۔ سب سے پہلے اسے حضرت آدم نے تعمیر کیا جو کہ مسلمان تھے۔ اس کے بعد حضرت داؤد نے اس کی بنیاد رکھی۔ پھر حضرت سلیمان نے اس کو مکمل کیا۔ اس لیے اس مسجد پر اسی قوم کا حق ہے جو کہ مسلمان ہو۔ جب تک عیسائی اور یہودی مسلمان تھے، اس وقت تک اس عبادت گاہ پر ان کا حق قائم تھا، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد جو بھی یہودی اور عیسائی آپ پر ایمان نہیں لاتا، وہ کافر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۹؎ ماہنامہ ''الشریعہ''، اکتوبر ۲۰۰۶، ۲۵۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ أَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا. أُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ حَقًّا. (النساء۴: ۱۵۰۔۱۵۱)

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم بعض رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ اس کے درمیان کوئی راستہ تلاش کرنا چاہتے ہیں، یہی لوگ پکے کافر ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بھی یہودی اور عیسائی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لے کر آئے، وہ پکا کافر ہے، اور کافر مسلمانوں کی بنائی ہوئی عبادت گاہ کا کیسے وارث ہو سکتا ہے؟ یہ تو ایسے ہی ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی مسجد بنائی اور اس کی بعد میں آنے والی نسلوں میں سے کوئی یہودی ہو گیا تو کیا اب اس مسجد کو یہودیوں کی عبادت گاہ بنا کر اس یہودی کے کنٹرول میں دے دیا جائے گا؟ مسجد اقصیٰ پر اس وقت یہودیوں کا حق تھا جب تک وہ مسلمان تھے۔ آج بھی اگر وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتے ہیں تو ہمارا ان سے کوئی جھگڑا نہیں ہے، ہم مسجد اقصیٰ کی تولیت ان کے سپرد کر دیں گے۔ لیکن اگر وہ اپنے نبی حضرت موسیٰ اور اپنے باپ حضرت ابراہیم کے دین سے بھی پھر جائیں تو کس بنیاد پر ان کو مسجد اقصیٰ کا وارث قرار دیا جائے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ إِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ. (آل عمران۳: ۶۷۔۶۸)

''حضرت ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی، لیکن وہ ایک یکسو مسلمان تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔ بے شک حضرت ابراہیم کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق ولایت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جنھوں نے اس (کی قوم میں سے اس) کی پیروی کی اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ جو (اس نبی پر) ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا والی ہے۔''

حضرت ابراہیم کی طرح، حضرت موسیٰ اور حضرت سلیمان اور بنی اسرائیل کے تمام انبیا کے اصل ورثا اور جانشین مسلمان ہیں نہ کہ یہود و نصاریٰ۔ اگر حضرت سلیمان نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی بھی تھی تو اس سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ اب یہ مسجد کافروں کی عبادت گاہ بن گئی ہے؟ حضرت سلیمان کے دور میں موجود بنی اسرائیل مسلمان تھے، لہٰذا اس بنیاد پر اس مسجد کے وارث بھی تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض اور کینہ رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ پر

www.javedahmadghamidi.com

ایمان نہ لانے کی وجہ سے آج کل کے یہودیوں کے کافر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، بلکہ ان کے کفر پر امت کا اجماع ہے، لہٰذا مسجد اقصیٰ جوکہ مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے، اس پر ایک کافر قوم کا حق کیسے جتایا جا سکتا ہے؟

بفرض محال اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ مسجد اقصیٰ پر یہود کا حق ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے جو بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکاری ہو، وہ حضرت موسیٰ اور تورات کا بھی انکاری ہے، کیونکہ دونوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور ان کی علامات کی خبر دی ہے۔ لہٰذا ایسا یہودی جوکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے کے ساتھ تورات اور حضرت موسیٰ کی بات بھی ماننے سے انکار کر دے، وہ تو اپنے دین، اپنے نبی اور اپنی کتاب کا بھی انکاری ہے اور ایسا یہودی مسجد اقصیٰ کا وارث کیسے ہو سکتا ہے؟

۲۔ تمام انبیا کا قبلہ بیت اللہ تھا:

تمام انبیا، بشمول انبیاے بنی اسرائیل، کا قبلہ بیت اللہ تھا۔ اس لیے یہودیوں کا قبلہ بھی، از روے دین اسلام، شروع سے ہی، بیت اللہ ہے۔ تمام انبیا بیت اللہ کی طرف ہی رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی کا حج کرتے تھے۔ یہودیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ''ہیکل سلیمانی'' ان کا قبلہ ہے۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ایک ہی وقت میں دو متوازی قبلوں کا وجود خود مقصد قبلہ کے خلاف ہے۔ حضرت ابراہیم نے جب بیت اللہ کی تعمیر مکمل کر لی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حج کی آواز لگائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ. (الحج ۲۲: ۲۷)

''اور (اے ابراہیم) لوگوں میں حج کا اعلان عام کر۔ وہ تیرے پاس آئیں گے، پیدل اور دبلے اونٹوں پر اور ہر دور کے راستے سے آئیں گے۔''

اگر یہ مان لیا جائے کہ بیت اللہ کے بالمقابل فلسطین میں حضرت سلیمان نے ایک علیحدہ قبلہ بنایا تو درج ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱۔ کیا قرآن کی آیت میں موجود الفاظ 'الناس' میں بنو اسرائیل داخل نہیں ہیں؟

۲۔ اگر بنو اسرائیل کے آبا واجداد حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب کا قبلہ بیت اللہ ہی تھا تو ان کی بعد میں آنے والی نسلوں کا قبلہ تبدیل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور اس کی کیا دلیل ہے کہ باپ (یعقوب) کا قبلہ بیت اللہ تھا اور بیٹوں (بنو اسرائیل) کا قبلہ بیت المقدس تھا؟ کیا بنو اسرائیل اپنے باپ حضرت یعقوب کے دین پر نہ تھے؟

۳۔ کیا تمام انبیا کا دین، دین اسلام نہیں ہے؟ کیا حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت نہیں کی تھی:

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

’ووصی بھا ابراھیم بنیہ ویعقوب یبنی ان اللّٰہ اصطفی لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون‘؟ اگر تمام انبیا کا دین ایک ہی ہے، جیسا کہ قرآن وحدیث سے واضح ہوتا ہے تو پھر یہ کہنے کی کیا گنجایش رہ جاتی ہے کہ حضرت سلیمان سے پہلے انبیا کی نماز اور حج کے لیے قبلہ کی حیثیت بیت اللہ کو حاصل تھی، جبکہ حضرت سلیمان کے بعد نماز اور حج کے لیے بیت المقدس کو بنیادی حیثیت حاصل تھی؟

۴۔ تقریباً تمام مناسک حج مقامات کے ساتھ خاص ہیں، مثلاً طواف، صفا اور مروہ کی سعی، مقام ابراہیم پر نفل پڑھنا، منیٰ کا قیام، میدان عرفات اور مزدلفہ کا قیام وغیرہ۔ بیت المقدس کو اگر بنی اسرائیل کا قبلہ مان لیا جائے تو بیت المقدس کے حج کرنے کا کیا مطلب ہے۔ دوسرے الفاظ میں بنو اسرائیل کا حج کیا تھا؟

۵۔ بنو اسماعیل کا حج تو زمانۂ جاہلیت میں بھی کسی نہ کسی بگڑی ہوئی شکل میں موجود تھا، لیکن کیا یہودی بھی آپ کے زمانے میں بیت المقدس کا حج کرتے تھے یا آج کرتے ہیں؟ اگر نہیں، تو کیوں؟

۶۔ اگر بیت المقدس ہی قبلہ تھا تو یہود ونصاریٰ میں پھر قبلے کی تعیین میں اختلاف کیوں ہوا؟ یہود حق پر تھے یا نصاریٰ؟ اصل قبلہ قبۃ الصخرہ ہے یا بیت المقدس کا مشرقی حصہ؟

۷۔ اگر عمار صاحب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہود کا قبلہ صحیح ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود یہود میں بھی تو اس قبلے کی تعیین میں اختلاف ہے کہ یہ صخرہ ہی ہے یا صخرہ کے قریب کوئی جگہ ہے۔ یہ کیسا قبلہ ہے کہ جس کے صحیح مقام کا آج تک تعین ہی نہ ہو سکا؟

۸۔ عمار صاحب کتاب مقدس کی کوئی ایک بھی واضح اور صریح نص پیش کر سکتے ہیں کہ جس میں یہ بیان ہوا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو یہود کا قبلہ مقرر کیا تھا؟

۹۔ اگر عمار صاحب یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ’وما أنت بتابع قبلتھم‘ میں اس بات کا اثبات کیا ہے کہ وہ یہود کا قبلہ ہے تو ہم یہ کہتے ہیں پھر ’ما ولھم عن قبلتھم التی کانوا علیھا‘ میں کس کے لیے قبلے کا اثبات ہے؟

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے صرف یہود کے قبلے کا اثبات نہیں کیا، بلکہ نصاریٰ کے قبلے کا بھی اثبات کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’وما بعضھم بتابع قبلۃ بعض‘، تو کیا کل تین قبلے ہیں؟

۱۱۔ حقیقت یہ ہے کہ قبلہ ایک ہی ہے جو کہ بیت اللہ ہے، باقی رہا قرآن کا مسجد اقصیٰ یا اس کے مشرقی حصہ کو قبلہ کہنا تو یہ اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کے اعتبار سے کہا ہے نہ کہ خود اپنی طرف سے ان کے لیے کسی علیحدہ قبلے کو مقرر کرنے کا

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اثبات کیا ہے، جیسا کہ 'لکم دینکم ولی دین' میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے لیے علیحدہ دین کا اثبات تو کیا ہے، لیکن اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دین کو، ان کے لیے مقرر کیا ہے اور پسند بھی کیا ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ عمار صاحب ہیکل سلیمانی کو یہود کا قبلہ قرار دینے پر مصر ہیں اور اس کے لیے انھوں نے دلیل حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کو بنایا ہے جو کہ بیت المقدس کے فیوض و برکات کے حوالے سے کتاب مقدس میں بیان ہوئی ہے۔ بیت المقدس کی برکات وفضائل سے کس کو انکار ہو سکتا ہے، لیکن کیا کسی مقام کی برکات وفضائل کا بیان اس کے قبلہ ہونے کی ایک کافی دلیل ہے؟ یہ کیسا قبلہ ہے کہ جس کے قبلہ ہونے کے بارے میں کوئی ایک بھی واضح نص قرآن وسنت تو کیا، کتاب مقدس میں بھی موجود نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیت المقدس کی حیثیت نہ تو حرم کی ہے اور نہ ہی یہ یہودیوں کا قبلہ رہا ہے۔ بیت المقدس کو اپنا قبلہ قرار دینا یہودیوں کی اختراع ہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کی آزمایش کے لیے ان کو وقتی طور پر بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا جس کا تذکرہ بہت ساری روایات میں ملتا ہے۔ اس حکم خداوندی کی رو سے بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا جو حکم آپ پر نازل ہوا تھا، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ پہلی مسلمان امتوں کا قبلہ بیت المقدس تھا، بلکہ اس کی اصل وجہ مسلمانوں کی آزمایش تھی، جیسا کہ قرآن نے بیان کیا ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ. (البقرہ ۲: ۱۴۳)

''پہلے جس طرف تم رُخ کرتے تھے، اس کو تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کے لیے قبلہ مقرر کیا تھا کہ کون رسُول کی پیروی کرتا ہے اور کون اُلٹا پھر جاتا ہے۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس عارضی قبلے کو منسوخ قرار دے کر اصل قبلہ یعنی بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم جاری فرمایا۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ. (البقرہ ۲: ۱۴۵)

''اور اے نبی، آپ ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں۔''

قرآن مجید کی یہ نص اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی وجہ یہودیوں کی اتباع نہیں تھی، بلکہ آپ کو اللہ کی طرف سے یہ ایک حکم تھا۔ امام ابن کثیر اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

وانہ لا يتبع أهوائهم فى جميع أحواله ولا كونه متوجها الى بيت المقدس لكونها قبلة اليهود وانما ذلك عن أمر اللّٰه.

’’آپ کسی بھی معاملے میں یہودیوں کی اتباع نہیں کرتے تھے۔اسی طرح آپ کا بیت المقدس کی طرف رخ کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ یہود کا قبلہ ہے، بلکہ اس وجہ سے تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے آپ کو حکم تھا۔‘‘

یہودیوں نے حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد قبۃ الصخرہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا آغاز کیا، جبکہ عیسائیوں میں قسطنطنین دی گریٹ (۲۷۲ء تا ۳۳۷ء) وہ پہلا عیسائی بادشاہ گزرا ہے جس نے بیت المقدس کی مشرقی جانب نماز پڑھنے کی بدعت کا آغاز کیا۔

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

قالوا وهو الذى ابتدع الصلوٰة الى الشرق والا لم يصل قط احد من انبيائهم واتباعهم الى الشرق ولم يشرع اللّٰه مكانا يصلى اليه الا الكعبة والأنبياء الخليل ومن قبله انما كانوا يصلون الى الكعبة و موسىٰ لم يكن يصلى الى البيت المقدس بل قالوا انه كان ينصب قبة العهد الى العرب ويصلى اليها فى التيه. فلما فتح يوشع بيت المقدس بعد موت موسى نصب القبة الى الصخرة فكانوا يصلون اليها فلما خرب بيت المقدس وذهبت القبة صارت اليهود يصلون الى الصخرة لأنه موضع القبة والسامرة يصلون الى جبل هناك قالوا لأنه كان عليه التابوت.[20]

’’ان کا کہنا ہے کہ مشرق کی طرف نماز پڑھنے کی بدعت کا آغاز قسطنطنین دی گریٹ نے کیا، جبکہ نصاریٰ کے انبیا اور ان کے متبعین میں سے کسی ایک نے بھی مشرق کی طرف رخ کر کے نماز نہیں پڑھی اور اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے علاوہ کسی مقام کو بھی شریعت اسلامیہ میں نماز کے لیے جہت نہیں بنایا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان سے ماقبل کے تمام انبیا کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور خود حضرت موسیٰ بھی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز نہیں پڑھتے تھے، بلکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ خیمۂ عہد کو عرب کی طرف رخ کر کے نصب کرتے تھے اور صحرا میں اس خیمہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ جب حضرت یوشع بن نون نے بیت المقدس کو فتح کر لیا تو خیمہ کو صخرہ پر نصب کیا۔ پس بنی اسرائیل خیمہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ جب بیت المقدس ویران ہوا اور خیمہ بھی چھن گیا تو یہود صخرہ کی طرف رخ کر کے نماز

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

۲۰؎ الرد علی المنطقیین، امام ابن تیمیہ ۲۸۹۔۲۹۰۔

پڑھنے لگے، کیونکہ یہ خیمہ کی جگہ تھی اور سامرۃ (یہود سے علیحدہ ہونے والا ایک فرقہ) وہاں پر موجود ایک پہاڑ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے، کیونکہ تابوت سکینہ اس پر موجود تھا۔‘‘

امام ابن قیم لکھتے ہیں:

استقبال أهل الکتاب لقبلتهم لم یکن من جهة الوحی والتوقیف من اللّٰه بل کان عن مشورة منهم واجتهاد أما النصارٰی فلا ریب أن اللّٰه لم یأمرهم فی الانجیل ولا فی غیره باستقبال المشرق أبدا وهم مقرون بذالك ومقرون أن قبلة المسیح کانت قبلة بنی اسرائیل و هی الصخرة وانما وضع لهم شیوخهم واسلافهم هذه القبلة وهم یعتذرون عنهم بأن المسیح فوض الیهم التحلیل والتحریم وشرع الأحکام وان ما حللوه وحرموه فقد حلله هو وحرمه فی السماء فهم مع الیهود متفقون علی أن اللّٰـه لم یشرع استقبال المشرق علی لسان رسوله أبدا والمسلمون شاهدون علیهم بذالك و أما قبلة الیهود فلیس فی التوراة الأمر باستقبال الصخرة البتتة و انما کانوا ینصبون التابوت ویصلون الیه من

’’اہل کتاب کا اپنے قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا یہ وحی سے یا اللہ کی طرف سے نہیں ہے، بلکہ انھوں نے اپنا قبلہ آپس کے مشورے اور اجتہاد سے مقرر کیا۔ جہاں تک نصاریٰ کا معاملہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انجیل یا اس کے علاوہ کسی کتاب میں ان کو کہیں بھی مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم کبھی نہیں دیا اور وہ اس بات کا خود بھی اقرار کرتے ہیں اور اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ حضرت مسیح کا قبلہ وہی ہے جو کہ بنو اسرائیل کا قبلہ ہے اور وہ صخرہ ہے اور ان کے شیوخ اور بڑوں نے مشرق کو قبلہ مقرر کیا اور وہ اپنے ان کبار شیوخ کی طرف سے یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ حضرت مسیح نے ان کو تحلیل و تحریم اور تشریع احکام کا اختیار تفویض کیا تھا اور جس چیز کو انھوں نے حلال یا حرام قرار دیا، اس کو حضرت مسیح نے بھی آسمانوں پر سے حلال یا حرام قرار دے دیا۔ وہ یہود سے اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی رسول کی زبانی مشرق کو قبلہ نہیں بنایا اور مسلمان بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مشرق کو قبلہ نہیں بنایا۔ جہاں تک یہود کے قبلے کا تعلق ہے تو یہ بات

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

حيث خرجوا فاذا نصبوه على الصخرة وصلوا اليه فلما رفع فصلوا الى موضعه وهو الصخرة وأما السامرة فانهم يصلون الى طور لهم بأرض الشام يعظمونه ويحجون اليه ورأيته أنا وهو فى بلد نابلس وناظرت فضلائهم فى استقباله وقلت هو قبلة باطلة فقال مشار اليه فى دينهم هذه هى القبلة الصحيحة واليهود أخطأ وها لان اللّٰه تعالىٰ أمر فى التوراة باستقباله عينا ثم ذكر نصا يزعمه من التوراة فى استقبال فقلت هذا خطأ قطعا على التوراة لأنها انما أنزلت على بنى اسرائيل فهم المخاطبون بها وأنتم فرع عليهم فيها وانما تلقيتموها عنهم وهذا النص ليس فى التوراة التى بأيدينا وأنا رأيتها وليس هذا فيها فقال لى صدقت انما هو فى توراتنا خاصة.[۲۱]

تو واضح ہے کہ تورات میں کہیں بھی صخرہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نہیں بیان ہوا ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ وہ جہاں سے بھی نکلتے، تابوت کو نصب کرتے اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ جب وہ بیت المقدس میں آئے تو انھوں نے اس تابوت کو صخرہ پر نصب کیا اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ پس جب تابوت کو اٹھا لیا گیا تو وہ صخرہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے، کیونکہ یہ تابوت کی جگہ تھی۔ جہاں تک سامرہ (یہودیوں سے علیحدہ ہونے والا ایک گروہ) کا تعلق ہے تو وہ ارض شام میں موجود ایک پہاڑ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ وہ اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس کا قصد بھی کرتے تھے اور میں نے اس پہاڑ کو دیکھا ہے، وہ شہر 'نابلس' میں ہے اور میں (یعنی ابن قیم) نے جب اس فرقے کے علما سے بحث کی اور ان سے کہا کہ تمھارا قبلہ باطل اور بدعت ہے تو انھوں نے کہا کہ ان کے دین میں اس قبلہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہی صحیح قبلہ ہے اور یہودیوں نے قبلہ کے تعین میں خطا کھائی ہے، اللہ تعالیٰ نے تورات میں اسی پہاڑ کے استقبال کا حکم دیا ہے۔ پھر ان میں سے ایک نے اس پہاڑ کے استقبال کے بارے میں ایک نص پیش کی جس کے بارے میں اس کا گمان یہ تھا کہ یہ تورات کی آیت ہے تو میں نے کہا: یہ کہنا تورات کے بارے میں قطعی خطا ہے، کیونکہ تورات بنو اسرائیل پر نازل ہوئی اور وہ اس

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

۲۱؎ بدائع الفوائد، امام ابن قیم ۴/۱۷۱۔

کے اول مخاطبین ہیں اور تم ان کی ایک فرع ہو اور تم
نے تورات ان سے حاصل کی ہے اور یہ نص جو کہ تم پیش
کر رہے ہو، اس تورات میں نہیں ہے جو کہ بنو اسرائیل
کے پاس ہے اور میں نے اس تورات کو دیکھا ہے اور
اس میں یہ نص موجود نہیں ہے تو وہ (سامری عالم)
مجھے کہنے لگا: تم ٹھیک کہہ رہے ہو، یہ نص ہماری خاص
تورات میں ہے۔''

۳۔امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم کی اس رائے کی تائید قرآنی نصوص، احادیث مبارکہ اور بعض تابعین و تبع تابعین کی آرا سے بھی ہوتی ہے۔

الف۔اس رائے کی تائید میں چند ایک قرآنی دلائل درج ذیل ہیں:

بنی اسرائیل کی غلامی کے زمانے میں، جبکہ وہ ابھی تک قوم فرعون کے ظلم سے آزاد نہیں ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم دیا تھا:

وَّاجۡعَلُوۡا بُیُوۡتَکُمۡ قِبۡلَۃً وَّاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ. ''اور اپنے گھروں کو قبلہ رخ بناؤ اور نماز قائم کرو۔''

(یونس ۱۰: ۸۷)

یہاں بنی اسرائیل کو کس قبلے کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے؟ کیا بیت المقدس کی طرف کہ جس کی بنیاد بقول عمار صاحب سینکڑوں سال بعد حضرت سلیمان کے دور میں رکھی جانی تھی؟ یہ آیت مبارکہ اس مسئلے میں نص قطعی کا درجہ رکھتی ہے کہ بنی اسرائیل کو بھی اپنی نمازوں میں جس قبلہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ بیت اللہ ہی ہے، کیونکہ اس آیت میں قبلہ کا لفظ مطلقاً استعمال کیا گیا ہے یعنی مراد وہ قبلہ ہے جو کہ اس وقت اور اس سے ماقبل کی اقوام میں بطور قبلہ معروف تھا اور وہ سب کے نزدیک بیت اللہ ہی ہے۔امام طبری اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں صحابہ و تابعین کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عن مجاهد قال قال ابن عباس فی قوله تعالی واجعلوا بیوتکم قبلة یقول وجهوا بیوتکم مساجدکم نحو القبلة ألا تری أنه یقول فی بیوت أذن الله أن

''حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ابن عباس نے 'واجعلوا بیوتکم قبلة' کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اپنے گھروں یعنی مساجد کو قبلہ رخ بناؤ۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترفع.

’فی بیوت أذن اللّٰہ أن ترفع‘ (اس آیت مبارکہ میں مساجد کے لیے ’بیوت‘ کا لفظ استعمال ہوا ہے)۔‘‘

عن سعید ابن جبیر عن ابن عباس واجعلوا بیوتکم قبلة یعنی الکعبة.

’’حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے، وہ حضرت عبداللہ بن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے ’واجعلوا بیوتکم قبلة‘ کی تفسیر میں فرمایا کہ قبلہ سے مراد ’’کعبہ‘‘ ہے۔‘‘

عن مجاهد بیوتکم قبلة قال نحو الکعبة حین خاف موسیٰ ومن معه من فرعون أن یصلوا فی الکنائس الجامعة فأمروا أن یجعلوا فی بیوتهم مستقبلة الکعبة یصلون فیها سرا.

’’حضرت مجاہد سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ’واجعلوا بیوتکم‘ سے مراد ہے کہ اپنے گھروں کو کعبہ کے رخ بناؤ۔ جب موسیٰ اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنی عبادت گاہوں میں اکٹھے ہو کر نماز پڑھنے میں فرعون سے خوف محسوس کیا تو انھیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں کو کعبہ کے رخ بنا لیں اور ان میں چھپ کے نماز پڑھیں۔‘‘

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَ هُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَ كَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذاً لَّمِنَ الظَّالِمِيْنَ.

(البقرہ ۲: ۱۴۵)

’’اور اگر آپ ان اہل کتاب کے پاس ہر قسم کی نشانی ہی کیوں نہ لے آئیں، وہ آپ کے قبلے کی پیروی ہرگز نہ کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں اور ان میں بعض، ان کے بعض کے قبلے کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں اور اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی، اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ گیا تو تب آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔‘‘

اس آیت مبارکہ کے انداز خطاب سے معلوم ہو رہا ہے کہ اہل کتاب سے بھی اللہ تعالیٰ کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ بیت اللہ کو اپنا قبلہ بنائیں جو کہ تمام انبیا کا قبلہ رہا ہے، لیکن اہل کتاب کی ضد اور اسلام دشمنی کے بارے میں خبر دیتے ہوئے

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ رہے ہیں کہ اگر آپ ان اہل کتاب کے پاس ہر قسم کی نشانی لے آئیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ بیت اللہ ہی اصل قبلہ ہے، اہل کتاب کا بھی اور مسلمانوں کا بھی، تو پھر بھی یہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے۔

'وما أنت بتابع قبلتھم' میں 'قبلتھم' سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو ان کا قبلہ بنایا ہے۔ اس کی دلیل آیت کا یہ اگلا ٹکڑا ہے: 'وما بعضھم بتابع قبلة بعض' کیونکہ اس بات پر تو اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین قبلے نہیں بنائے، جبکہ آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تین قبلوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک مسلمانوں کا قبلہ جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے قبلہ مقرر کیا ہے، جیسا کہ اسی آیت مبارکہ کے سیاق وسباق سے واضح ہوتا ہے۔ دوسرا عیسائیوں اور تیسرا یہودیوں کا قبلہ ہے جنھوں نے اپنی خواہش اور آزاد مرضی سے بیت المقدس کی مشرقی جانب اور قبۃ الصخرہ کو قبلہ بنا لیا تھا۔ امام ابن جریر طبری اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وما لك يا محمد سبيل اتباع قبلتهم وذلك أن اليهود تستقبل بيت المقدس لصلاتها وأن النصارىٰ تستقبل المشرق فأنى يكون لك السبيل الى اتباع قبلتهم مع اختلاف وجوهها.

''اے محمد، آپ کے لیے ان کے قبلے کی پیروی کرنا جائز نہیں ہے اور یہ اس وجہ سے کہ یہود اپنی نماز میں بیت المقدس کی طرف، جبکہ نصاریٰ اس کے مشرقی حصے کی طرف رخ کرتے ہیں۔ اے نبی، آپ کیسے ان کے قبلے کی پیروی کریں گے، جبکہ خود ان میں آپس میں قبلے کے تعین میں اختلاف ہے۔''

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ. (البقرہ ۲:۱۴۶)

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی (یعنی اہل کتاب) وہ اس (یعنی بیت اللہ کے قبلہ ہونے) کو اس طرح پہچانتے ہیں، جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔''

امام ابن جریر طبری اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

يعرف هؤلاء الأحبار من اليهود والعلماء من النصارىٰ أن البيت الحرام قبلتهم و قبلة ابراهيم وقبلة الأنبياء قبلك كما يعرفون أبنائهم.

''یہود ونصاریٰ کے علما یہ جانتے ہیں کہ مسجد حرام ان کا قبلہ ہے اور یہی حضرت ابراہیم اور آپ سے پہلے تمام انبیا کا قبلہ تھا، جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اس آیت مبارکہ میں بعض مفسرین نے 'یعرفونه' کی 'ہ' ضمیر کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹایا ہے، لیکن 'ہ' ضمیر کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانا قرآن کے سیاق وسباق کے خلاف ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنَّ فَرِیْقاً مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ. (البقرہ۲:۱۴۶)

''اوران میں سے ایک گروہ حق بات (یعنی بیت اللہ ہی کے اصل قبلہ ہونے) کو جانتے بوجھتے چھپا رہا ہے۔''

امام ابن جریر طبری 'وان فریقا منھم لیکتمون الحق وھم یعلمون' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وذلك الحق هو القبلة التی وجه اللّٰه عزوجل الیها نبیه محمدا صلی اللّٰه علیه وسلم یقول فول وجهك شطر المسجد الحرام التی کانت الأنبیاء من قبل محمد یتوجهون الیها فکتمها الیهود والنصارٰی فتوجه بعضهم شرقا وبعضهم نحو بیت المقدس ورفضوا ما أمرهم اللّٰه به.

''الحق' سے مراد قبلہ ہے جس کی طرف رخ کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ مسجد حرام کی طرف اپنا رخ پھیر لیں جس کی طرف آپ سے پہلے تمام انبیا رخ کرتے تھے۔ پس یہود و نصاریٰ نے اصل قبلے (یعنی بیت اللہ) کو چھپا لیا اور کسی نے مشرق کی طرف رخ کیا اور کسی نے بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنایا اور انھوں نے اس کا انکار کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَاتَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ. (البقرہ۲:۱۴۷)

''یہ (یعنی بیت اللہ کا قبلہ ہونا) حق ہے آپ کے رب کی طرف سے، پس آپ (بیت اللہ کے ہی قبلہ ہونے میں) شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔''

امام ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أی فلا تکونن من الشاکین فی أن القبلة التی وجهتك نحوها قبلة ابراهیم خلیلی علیه السلام وقبلة

''اے نبی، آپ اس بارے میں بالکل بھی شک میں مبتلا نہ ہوں کہ جس قبلہ کی طرف ہم نے آپ کا رخ کیا ہے، وہی حضرت ابراہیم اور ان کے علاوہ تمام انبیا

الأنبياء غيره.

کا قبلہ ہے۔''

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ. (البقرہ۲:۱۴۸)

''اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے، وہ اس کی طرف اپنے آپ کو پھیرنے والا ہے۔ پس تم (اے مسلمانو)، نیکیوں میں سبقت لے جاؤ۔''

امام طبری اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أی قد بينت لكم أيها المؤمنون الحق وهديتكم القبلة التی ضلت عنها اليهود والنصارىٰ وسائر الملل غيركم فبادروا بالأعمال الصالحة شكرا لربكم.

''اے اہل ایمان، میں نے تمھارے لیے حق بات کو واضح کر دیا تھا اور اس قبلے کی طرف تمھاری رہنمائی کی ہے جس سے یہود و نصاریٰ اور تمھارے علاوہ تمام مذاہب بھٹک گئے تھے، پس تم اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے نیکی کے کاموں میں جلدی کرو۔''

ب۔ بعض ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ بیت المقدس یہود کا قبلہ نہیں ہے، بلکہ ان کا قبلہ بھی بیت اللہ ہی تھا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں:

كنا عند ابن عباس فذكروا الدجال أنه قال مكتوب بين عينيه كافر فقال ابن عباس لم أسمعه ولكنه قال أما موسىٰ كأنی أنظر اليه اذا انحدر فی الوادی يلبی[۲۲].

''ہم ابن عباس کے پاس تھے کہ لوگوں نے دجال کا تذکرہ کیا کہ آپ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا تو ابن عباس نے کہا: میں نے یہ بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی، بلکہ میں نے آپ سے سنا ہے، آپ کہہ رہے تھے کہ جہاں تک حضرت موسیٰ کا معاملہ ہے تو گویا کہ میں ان کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ وادی میں تلبیہ کہتے ہوئے اتر رہے ہیں۔''

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل بھی حج کرنے کے لیے بیت اللہ کا ہی قصد کرتے تھے۔ علامہ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

۲۲؎ صحیح بخاری: کتاب الحج، باب: التلبية اذا انحدر فی الوادی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

و في الحديث أن التلبية في بطون الأودية من سنن المرسلين.

''اور اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ وادیوں کے درمیان میں تلبیہ کہنا رسولوں کی سنت ہے۔''

ایک دوسری روایت میں حضرت یونس بن متی کا بھی تذکرہ ہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے:

عن ابن عباس أن رسول الله مر بوادي الأزرق فقال أي واد هذا قالوا هذا وادي الأزرق فقال كأني أنظر الى موسٰى وهو هابط من الثنية وله جؤار الى الله عزوجل بالتلبية حتى أتى على ثنية هرشاء فقال أي ثنية هذا قالوا ثنية هرشاء قال كأني أنظر الى يونس بن متى على ناقة حمراء جعدة عليه جبة من صوف خطام ناقته خلبة قال هشيم يعني ليف وهو يلبي[۲۳]

''حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر وادی ازرق سے ہوا تو آپ نے سوال کیا کہ یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ نے کہا: یہ وادی ازرق ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا: گویا کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گھاٹی سے اترتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور وہ بلند آواز سے تلبیہ کہہ رہے ہیں۔ پھر آپ ہرشاء کی گھاٹی پر آئے اور آپ نے پوچھا: یہ کون سی گھاٹی ہے؟ صحابہ نے کہا: یہ ہرشاء کی گھاٹی ہے تو آپ نے فرمایا: گویا کہ میں یونس بن متی کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک سرخ موٹی تازی مضبوط گوشت والی اونٹنی پر سوار ہیں اور انھوں نے اون کا ایک جبہ پہن رکھا ہے، ان کی اونٹنی کی لگام کھجور کے درخت کی چھال کی ہے اور وہ تلبیہ کہہ رہے ہیں۔''

اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیا بیت اللہ کا حج کرتے تھے۔ عمار صاحب بنو اسرائیل کے کسی ایک نبی کے بارے میں یہ ثابت کر دیں کہ اس نے بیت المقدس کا حج کیا ہو۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ، جن پر تورات نازل ہوئی، ان کا قبلہ بیت اللہ تھا۔ اگر عمار صاحب یہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان کے دور میں بنو اسرائیل کا قبلہ تبدیل ہو گیا تھا تو اس کی کیا دلیل ہے کہ پہلے ان کا قبلہ بھی وہی تھا جو کہ تمام انبیا کا تھا، پھر حضرت سلیمان کے دور میں ان کا قبلہ بیت المقدس قرار پایا؟ امر واقعہ یہ ہے

۲۳؎ صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب: الاسراء برسول اللّٰہ الی السمٰوات. و رواہ الامام احمد فی مسندہ و اللفظ لہ۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

کہ یہود نے اپنے اصل قبلہ، جو کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ سے چلا آ رہا تھا، سے انحراف کرتے ہوئے اپنے مشورے اور اجتہاد سے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کر لیا تھا، جیسا کہ امام طبری، امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے۔

اسی طرح بعض صحیح احادیث میں بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی فضیلت ایک عام مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ بیان کی گئی ہے۔ اگر بیت المقدس یہودیوں کا قبلہ اور عبادت گاہ ہے تو وہاں نماز پڑھنے کی کیا تک بنتی ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری طرز عمل یہ تھا کہ آپ چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی یہودیوں کی مخالفت کرتے تھے، چہ جائیکہ آپ مسلمانوں کو ان کے قبلے اور عبادت گاہ میں جا کر نماز پڑھنے کی ترغیب دلائیں۔

ج۔ بعض تابعین اور تبع تابعین کی آرا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرون ثلاثہ میں یہ رائے بہت عام تھی کہ تمام انبیا کا قبلہ بیت اللہ ہی رہا ہے اور بیت المقدس کو قبلہ قرار دینا یہودیوں کی ایک اختراع تھی اور یہودیوں کی اسی اختراع کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے آزمایش بناتے ہوئے بیت المقدس کو کچھ عرصہ کے لیے ان کا عارضی قبلہ قرار دیا۔ ان میں سے چند ایک اقوال یہ ہیں:

عن السدی: 'یعرفونه کما یعرفون أبنائهم' یعرفون الکعبة أنها هی قبلة الأنبیاء کما یعرفون أبنائهم وروی عن قتادة والربیع بن أنس والضحاك نحو ذلك.

''حضرت سدی سے روایت ہے کہ 'یعرفونه کما یعرفون ابنائهم' سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ بات کہ کعبہ ہی تمام انبیا کا قبلہ ہے، اس طرح جانتے ہیں جس طرح کہ وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔ قتادہ، ضحاک اور ربیع بن انس سے بھی اسی قسم کا مفہوم مروی ہے۔''

عن الربیع قوله تعالی: 'الذین آتیناهم الکتٰب یعرفونه کما یعرفون أبنائهم' عرفوا قبلة البیت الحرام هی قبلتهم التی أمروا بها کما عرفوا أبنائهم.

''حضرت ربیع سے روایت ہے کہ آیت مبارکہ 'الذین آتیناهم الکتٰب یعرفونه کما یعرفون أبنائهم' سے مراد ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ مسجد حرام ہی وہ قبلہ ہے جس کے استقبال کا ان کو حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔''

عن الربیع 'الحق من ربك فلا تکونن من الممترین' یقول فلا تکونن فی شك من ذلك فانها قبلتك وقبلة

''حضرت ربیع سے مروی ہے، وہ 'الحق من ربك فلا تکونن من الممترین' کے بارے میں کہتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ اے محمد، آپ اس بارے

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

الأنبياء قبلك.

میں کسی قسم کے شک وشبہ میں مبتلا نہ ہوں کہ کعبہ ہی آپ کا بھی اور آپ سے پہلے انبیا کا بھی قبلہ تھا۔''

عن أبی العالیة قال: قال اللّٰه لنبیه: 'الحق من ربك فلا تكونن من الممترین' فیقول لا تكونن فی شك یامحمد ان الكعبة هی قبلتك وكانت قبلة الأنبیاء قبلك.

''حضرت ابوالعالیہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے کہا ہے: 'الحق من ربك فلا تكونن من الممترین'، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد، آپ اس بارے میں کسی قسم کے شک میں مبتلا نہ ہوں کہ کعبہ ہی آپ کا بھی قبلہ ہے اور آپ سے پہلے تمام انبیا کا بھی قبلہ تھا۔''

عن أبی العالیة 'ولكل وجهة هو مولیها' قال للیهود وجهة هو مولیها وللنصرانی وجهة هو مولیها وهداكم اللّٰه أنتم ایتها الأمة القبلة التی هی القبلة وروی عن مجاهد أحد قولیه والضحاك وعطاء والسدی والربیع نحو ذلك.

''حضرت ابوالعالیہ 'ولكل وجهة هو مولیها' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہود کے لیے ایک جہت ہے جس کی طرف وہ رخ کرتے ہیں، اسی طرح عیسائیوں کے لیے ایک جہت ہے جس کی طرف وہ رخ کرتے ہیں، اور اے امت مسلمہ، اللہ تعالیٰ نے تمھاری اس قبلے کی طرف رہنمائی کی ہے جو کہ اصل قبلہ ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں امام مجاہد کے دو اقوال میں سے ایک قول یہی ہے۔ اس کے علاوہ ضحاک، عطا، سدی اور ربیع سے بھی اس قسم کا قول نقل کیا گیا ہے۔''

د۔ دلیل استصحاب سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہود کا اصل قبلہ بیت اللہ ہی ہے۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی استصحاب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وعند الأصولیین هو الحكم بثبوت أمر أو نفیه فی الزمان الحاضر أو المستقبل، بناء علی ثبوته أو عدمه فی الزمان الماضی، لعدم قیام الدلیل علی تغییره.[۲۴]

''اصولیین کے نزدیک، زمانۂ حال یا مستقبل میں، کسی حکم کے ثبوت یا عدم ثبوت کی بنیاد، ماضی میں اس حکم کے ثبوت یا عدم ثبوت پر رکھنا، جبکہ اس حکم کے تبدیل ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو، استصحاب کہلاتا ہے۔''

۲۴؎ اصول الفقہ الاسلامی، الدکتور وہبہ الزحیلی ۱/۸۵۹۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

قرآنی نصوص، احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد بنو اسرائیل اور بنو اسماعیل کا قبلہ بیت اللہ تھا۔ اب اگر کوئی شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت سلیمان کے زمانے میں بیت اللہ کو منسوخ کر کے، بیت المقدس کو بنو اسرائیل کا قبلہ مقرر کیا گیا تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس بات کی دلیل پیش کرے کہ بیت اللہ کو بنو اسرائیل کے لیے بطور قبلہ منسوخ کر دیا گیا ہے۔ کیا اسرائیلیات (کتاب مقدس) میں اس نسخ کی کوئی دلیل ہے؟

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بیت المقدس مسلمانوں کا تو عارضی طور پر قبلہ مقرر کیا گیا، لیکن یہ یہود کا قبلہ کبھی بھی نہیں رہا۔ قرآن وحدیث تو کیا، اسرائیلیات (کتاب مقدس) میں بھی کوئی ایک بھی ایسی نص نہیں ہے کہ جس سے یہ واضح ہوتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کے لیے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کیا تھا، بلکہ قرآنی آیات، بہت ساری روایات، تاریخی حقائق اور ائمۂ سلف کی آرا اس موقف کی تائید کرتی نظر آتی ہیں کہ یہود کا قبلہ بیت اللہ ہی تھا۔ جب یہ ثابت ہوا کہ بیت المقدس نہ تو یہود کی عبادت گاہ ہے اور نہ ہی یہ ان کا قبلہ ہے تو یہ دعویٰ بھی باطل ہے کہ بیت المقدس پر یہودیوں کا حق ہے، بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ بیت المقدس 'وما جعلنا القبلة التی کنت علیها' کے مطابق مسلمانوں کی عبادت گاہ اور سابقہ قبلہ ہے، اس لیے وہی اس کی تولیت کا بھی شرعی حق رکھتے ہیں۔

دوسروں کے موقف میں شکوک وشبہات پیدا کرنا اور اپنے موقف کے اثبات کے لیے ایک دلیل بھی پیش نہ کر سکنا، اگر اہل فن کے ہاں تحقیق اسی کو کہتے ہیں تو واقعتاً عمار صاحب کا مضمون ایک تحقیقی مقالہ ہے، کیونکہ عمار صاحب نے اپنے پورے مضمون میں یہی کام کیا ہے۔ میں نے عمار صاحب کے مضمون کا کئی دفعہ بغور مطالعہ کیا، لیکن اس طویل مضمون میں مجھے سوائے حضرت سلیمان کی دعا کے کوئی اور عبارت ایسی نظر نہیں آئی کہ جسے عمار صاحب نے بیت المقدس کو یہود کا قبلہ ثابت کرنے کے لیے پیش کیا ہو۔ عمار صاحب سے گزارش ہے کہ انھوں نے علما کے موقف کا رد تو بہت اچھا کر دیا ہے، اب ذرا اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے بھی کوئی دلیل پیش کریں۔ دوسروں کے موقف کا رد کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کا موقف ثابت ہو گیا ہے۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net